اکیسویں صدی کے چیلنجز اور زاہدہ حنا کا فن: امکانات ومباحث

ڈاکٹر تحسین بی بی

Dr. Tehseen Bibi,

Head of Urdu Department,

Women University, Sawabi.

محمد ناصر آفریدی

Muhammad Nasir Afridi,

Ph.D Scholar, Department of Urdu,

Sarhad University, Peshawar.

Abstract:

There are so many challenges for Urdu literature in 21st century. In all of these different generas of poetry and prose are focused. Many great fiction writers, novelists and poets have given great writing, but Hina Zahida is one of a great name. She has given great stress to all the 21st century challenges related to politics, social, religious and surronding issues. She has focused all these issues in her writings. This article describes 'Great Fun' of Zaida Hina in which she stresses all the challenges of 21st centry with so many angles.

اردو ادب شروع سے لے کر اکیسویں صدی تک مختلف مراحل سے گزرا ہے، یہ مرحلے فکری وفنی تھے۔فکر کے لحاظ سے اس کا کینوس وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا اور انسانی زندگی سے متعلق کیا تخیلاتی اور حقیقی ہر نوع کے موضوعات ادب میں پیش ہوتے رہے۔کیوں کہ ادب اپنے عہد کے بہترین خیال کو بہترین الفاظ میں بہتر حسنِ ترتیب کے ساتھ محفوظ کرتا ہے اور اپنے دور کی سچی روح کی عکاسی کرتا ہے ہر زندہ ادب اپنے عہد کے سماجی، سیاسی، معاشرتی وتہذیبی ماحول کا عکاس ہوتا ہے۔بقول ڈاکٹر سعادت سعید: ’’حقیقی ادب تو شعور کی درست سیاسی، ثقافتی اور نظریاتی جہت ہی کی بدولت وجود میں آتا ہے۔‘‘(۱)

گلوبلائزیشن کے نام پر اکیسویں صدی میں تیسری دنیا کے ممالک بے بسی و مجبوری کے عالم میں بدترین مغربی سامراجیت کا شکار ہیں جس کے نتیجے میں ان ممالک میں سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے۔محدود علاقائی جنگیں، پڑوسی ملکوں کی آپس کی کشیدگی، مسلح تصادم، تخریب کاری ودہشت گردی اور فرقہ وارانہ فسادات کا فروغ سامراجیت کے عین مطابق ہے۔ان سب کے اثرات ہمارے ملک پر بھی پڑے ہیں جس کی وجہ سے یہاں سیاسی و معاشرتی ابتری، دہشت

گردی، رشوت ستانی، علاقائی اور لسانی جھگڑے سامنے آئے ہیں جن کو ادیبوں نے موضوع بنا کر نہایت عمدگی سے پیش کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ عہد حاضر کے بین الاقوامی حالات اور جنگ کی صورتحال آج کے ادیبوں کا محبوب موضوع ہے۔ آج کے اردو ادب نے لحہ بہ لمحہ بدلتی زندگی کے ہر روپ بہروپ کو اپنے اندر اس طرح جذب کر لیا ہے جیسے مشینی زندگی کا تہذیبی انقلاب اسی کے فروغ کے لیے رونما ہوا۔ انسان کا جذبہ ورومان اس کی آسودگیاں اور محرومیاں، سیاسی سماجی ومعاشرتی ناانصافی، بڑھتی ہوئی گھٹن، ظاہری انارکی، ناہمواری، طبقاتی کشمکش، معاشی استحصال اور سیاسی ظلم واستبداد کو اردو شاعری، ناول اور افسانے میں اس خوبصورتی سے سمیٹا گیا ہے کہ ہر کردار اپنے گردوپیش کے ماحول کی حقیقت کا علم اٹھائے ہوئے ہے۔

اکیسویں صدی کے آغاز تک پاکستانی معاشرے کو غیر مستحکم سیاسی صورتحال اور طبقاتی نظام کی خرابیوں نے گوناں گوں سیاسی، سماجی اور فکری مسائل سے دوچار کیا اور مارشل لا کی وجہ سے ابتر معاشرے میں ایک سیاسی اور فکری خلا پیدا ہو گیا ہے۔ اس دور آمریت میں ادیبوں (بالخصوص شاعروں اور ناول وافسانہ نگاروں) نے فوجی آمریت کو تسلیم نہیں کیا اور اس کے خلاف قلمی جہاد جاری رکھتے ہوئے علامتی واستعاراتی پیرایہ اختیار کیا۔ جدید اُردو ادب کو جن خواتین ادیبوں نے تقویت عطا کی ہے ان میں ایک اہم اور معتبر نام زاہدہ حنا کا بھی ہے۔ بقول طارق چھتاری:

> ''پاکستان میں نئی نسل کا ایک معتبر نام زاہدہ حنا کا بھی ہے۔ ان کے افسانے انتظار حسین اور قرۃ العین حیدر کے فن کی آمیزش معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں تقسیم ہند کا کرب بھی موجود ہے۔ اور بے ذہنی کا احساس بھی۔ ان کے موضوعات میں کافی تنوع ہے۔''(۲)

زاہدہ حنا اکیسویں صدی کی بلاخوف وخطر سچائی کا ساتھ دے کر ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے والی ادیبہ ہیں۔ انھوں نے پاکستانی سماج کی عکاسی بڑی جانفشانی سے اپنی تحریروں میں کی ہے۔ وہ ظلم کے خلاف آواز بلند کر کے اور مظلوم کا ساتھ دے کر اسے آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ایک حساس لکھاری کی طرح انھوں نے اپنے قلم کے ذریعے ظلم کے خلاف جہاد کرتے ہوئے مظلوموں کی تڑپتی، سسکتی زندگی اور ان کی آہوں، سسکیوں کو اپنے فن میں پیش کر کے ان سے ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ بقول ڈاکٹر نورین رزاق: ''زاہدہ حنا کے ہاں تڑپتی، سسکتی انسانیت، کم زور، کچلے اور دبے ہوئے افراد اور اقوام کے لیے جذبۂ ترحم اور ہمدردی دیکھی جا سکتی ہے۔''(۳)

لہٰذا زاہدہ حنا نے اپنے گردوپیش کی ناہمواریوں، ناانصافیوں اور ڈھکی چھپی تلخیوں کو دھڑلے سے بیان کیا ہے۔ وہ ظلم کے خلاف ایک طاقت ور آواز بن کر اُبھری ہیں۔ انھوں نے امن، عدل وانصاف، ظلم کی روک تھام، مظلوم سے ہمدردی، محبت اور انسان دوستی جیسے موضوعات اپنے افسانوں میں خوبصورتی سے سموئے ہیں۔ ان کے ہاں سماج میں ہونے والے ظلم وجبر کی نشاندہی بھی ملتی ہے۔ وہ معصوم، مجبور، مظلوم اور سماج کے ہاتھوں بے بس ولاچار لوگوں کی نمائندگی کرتی ہیں اور حق کی بات بڑی دلیری اور بے باکی سے کرنا ان کی اصل پہچان ہے۔ بقول احمد عقیل روبی:

> ''زاہدہ حنا کا شمار اُردو کے صفِ اوّل کے افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ سچ کی تلاش، آزادی کے لیے جدوجہد، مظلوم سے ہمدردی، ظالم سے نفرت، انسانی جذبات سے آگاہی، انسان دوستی، عدل وانصاف اور حقوقِ انسانی کے لیے لڑنا۔ یہ تمام موضوعات بڑے لکھنے والوں کی

تحریروں کی اصل ہیں۔ زاہدہ حنا کی زنبیل بھی انہی موضوعات سے بھری پڑی ہے۔''(۴)

اکیسویں صدی کے آغاز میں رونما ہونے والے حالات و واقعات گیارہ ستمبر کا واقعہ، افغانستان پر وحشیانہ امریکی بمباری، پاکستان میں خودکش حملوں اور بم دھماکوں کی تیزی سے بڑھتی ہوئی لہر، جہاد پرا کسانے والی تنظیمیں اور غربت و افلاس کا بڑھتا ہوا رجحان اور پرویز مشرف حکومت کی پالیسیوں پر امریکی اثرات، لال مسجد کا واقعہ، بلوچستان و کراچی کی بدلتی صورتحال، باجوڑ اور سوات کے آپریشن اور ان کے نتیجے میں ملک بھر میں بڑھتی دہشت گردی اور خودکش حملوں کا سلسلہ اور سیاسی قبضہ گیری کی جنگ وغیرہ بھی زاہدہ حنا کی بھر پور توجہ کے مرکز رہے ہیں۔

اس حوالے سے ان کا اہم افسانہ ''زیتون کی شاخ'' ہے۔ جس میں زاہدہ حنا نے امریکی جارحیت کو نشانہ بنایا ہے یہاں وہ ویتنامیوں کو ان کی جدوجہد پر شاباش دیتی ہیں کہ کس طرح انھوں نے ہر اُس فرد کو مارا اور ہر اس ہاتھ کو روکا جو ان کے وطن کو برباد کرنے آئے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجبور و بے بس لوگوں سے ہمدردی کا اظہار بھی کیا ہے۔ یہ کہانی ویت نام کی جنگ میں جانے والے ایک امریکی نوجوان ''ایڈگر کوہن'' کی ہے۔ جو کیلیفورنیا کا رہنے والا اور اپنی بیوہ ماں کا اکلوتا بیٹا ہے۔ ایک دن ایڈگر کی ملاقات امریکن قونصلیٹ میں ایک مقامی اسکرپٹ رائٹر لڑکی سے ہوتی ہے۔ دو تین ملاقاتوں میں ایڈگر اس لڑکی کے قریب آجاتا ہے۔ اسی طرح ملاقاتوں کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ایک دن ایڈگر لڑکی کو بتاتا ہے کہ وہ ویتنام کی جنگ میں اپنی مرضی سے نہیں بلکہ جبری بھرتی کے قانون کے تحت جا رہا ہے:

> ''میں جنگ سے نفرت کرتا تھا اس کے باوجود مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ میں ویتنام جانے سے انکار کر دوں اور دوسروں کے استہزاء اور تمسخر کا نشانہ بنوں اور سرکاری دباؤ کو برداشت کروں۔ میں بہت بزدل ہوں محض خواب دیکھنے والا ایک سُست عنصر انسان اور کچھ نہیں۔''(۵)

زاہدہ حنا کی تمام تر ہمدردی مجبور و بے بس ایڈگر کے ساتھ ہے وہ ایسی جنگ لڑنے جا رہا ہے جو اس کی اپنی نہیں ہے اور اس کا والد بھی اسی طرح ایک جنگ میں اپنی زندگی کی بازی ہار گیا تھا اور وہ بھی ایسی ہی موت کا لقمہ اجل بن جائے گا جو اس کی تمام خواہشات کو نگل لے گا۔ اسی لمحے زاہدہ حنا کو احساس ہوتا ہے کہ انسان مسلسل اذیت میں زندگی بسر کر رہا ہے کسی بھی معاشرے، قوم اور تہذیب میں اُسے امان نہیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی اُسے اس عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کیفیت کا اظہار وہ کچھ یوں کرتی ہیں: ''اور تب اس لمحے میں نے جانا کہ انسان کیسے عذاب میں مبتلا ہے اور نا کردہ گناہوں کی سزا پاتا ہے اور اس سزا اور عذاب کا خاتمہ نہیں ہے۔''(۶)

زاہدہ حنا نے اس افسانے میں ایک فلم ''A fare well to Arms'' کا تذکرہ بھی کیا ہے جس میں وہ یہ باور کراتی ہیں کہ وہ جنگ سے نفرت کرتی ہیں اور امن کی خواہاں ہیں۔ ان کی یہ امن دوستی صرف ایک علاقے تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ پوری دنیا میں امن دیکھنا چاہتی ہیں۔ ویتنام میں بے گناہ افراد کی موت پر ان کا دل افسردہ ہے۔ زاہدہ حنا کی یہ کہانی آج کی کہانی لگتی ہے۔ یہ ویتنام کی ہی کہانی نہیں ہے بلکہ یہ افغانستان کی کہانی بھی ہے۔ جہاں پر امریکی جارحیت جاری ہے۔ اسی طرح زاہدہ حنا کے افسانے ''نیند کا زرد لباس'' اور ''گُم گُم بہت آرام سے ہے'' بھی افغانستان اور ان کے حالات پر مبنی ہیں۔ ان افسانوں میں

افغانستان (کابل) پر ہونے والی امریکی بمباری کے خلاف نفرت کا بھرپور اظہار ملتا ہے اور افغانستان میں ہونے والے حملوں میں متاثرہ افراد کی دربدری کی زندگی گزارنے کی داستان بھی بیان ہوئی ہے۔ افسانہ ''نیند کا زرد لباس'' میں نائن الیون کے حوالے سے امریکی بربریت کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔

اس افسانے میں دو اہم کردار سامنے آتے ہیں۔ ایک پروین جو تیرہ سال کی افغانی بچی ہے اور دوسری شمسہ جو باجوڑ کی رہنے والی ہے۔ کہانی واحد متکلم کی صورت میں پیش کی گئی ہے۔ افسانے میں ماضی سے لے کر حال تک افغانی مہاجرین کی دربدری کے حالات و واقعات کو پیش کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ کہانی میں افغانستان کے لوگوں کے مجروح احساسات اور جذبات کی ترجمانی بھی ملتی ہے۔ پروین ایک معصوم سی بچی ہے لیکن ان خراب حالات کی وجہ سے اس کے بچپن کی معصومیت اور سادگی کہیں کھو جاتی ہے جب وہ شہر کے تباہ شدہ حالات کو دیکھتی ہے تو اس کے دل و دماغ میں ہزاروں سوالات پیدا ہو جاتے ہیں لیکن ان سوالات کے جوابات دینے کے لیے کوئی نہیں ہوتا تو وہ اپنی سی کوشش کر کے ایک خط میں سارے سوالات لکھتی ہے اور اس کے ساتھ شہر کی تباہی کی روداد بھی خط میں قلمبند کرتی ہے۔ اقتباس یہ ہے:

> ''میرا نام پروین ہے جناب! میں ۱۰ برس کی تھی جب آپ نے مجھے کابل سے نکال دیا۔ ہم وہاں سے نکلتے نہیں تو اور کیا کرتے؟ بم آپ کے بنائے ہوئے تھے، بمبار آپ کے بھیجے ہوئے تھے اور وہ ہمارے گھر اڑا رہے تھے۔ میری بہن پروانہ اور بھائی جلال اس بمباری میں مارے گئے۔ آپ نے میرے بھائی بہن چھینے، میرا شہر، میرا گھر، میری گلیاں، میرا بچپن، میرے خواب چھینے، آپ نے میری ہتھیلی بھی چھین لی۔ آپ کے بھیجے ہوئے جہاز جب ہمارے لیے بسکٹ کے پیکٹ، مکھن کی ٹکیاں اور رنگ برنگ کی تتلیاں گرا رہے تھے تو میں اور میری کئی سہیلیاں ان تتلیوں کو اٹھانے کے لیے بھاگیں بسکٹ کے پیکٹ اور مکھن کی ٹکیاں اٹھانے والے بچ گئے۔ تتلیاں پکڑنے والی میری دو سہیلیوں کو تتلیاں اپنے ساتھ لے گئیں اور میری ایک ہتھیلی بھی ان کے ساتھ چلی گئی۔'' (۷)

پروین کا یہ خط امریکی مظالم کی ایک ایسی داستان ہے جو افغانستان کے معصوم بچوں، مرد و عورتوں کی زندگی کا دردناک نوحہ بن کر سامنے آتا ہے۔ پروین اپنے خط کے ذریعے کابل میں ہونے والی تباہی کا تذکرہ کر کے امریکہ پر تنقید کرتی ہے۔ باجوڑ میں سال بھر رہنے کے بعد انھیں حکم دیا جاتا ہے کہ یہاں سے نکل کر کسی دوسرے علاقے میں منتقل ہونے کا انتظام کریں۔ لیکن جب یہ لوگ کسی دوسرے علاقے میں منتقل ہونے کے لیے سفر پر نکلتے ہیں تو دورانِ سفر ہی یہ سب بمباری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کئی افغانیوں کے ساتھ پروین بھی ہلاک ہو جاتی ہیں اور امریکی حکومت کو لکھا ہوا خط اس کی بند مٹھی میں رہ جاتا ہے۔

افسانے میں امریکی جارحیت کے ساتھ ساتھ امریکی پالیسیوں پر کھلی تنقید کی گئی ہے۔ مصنفہ نے کہانی کے ذریعے جھوٹی ہمدردی کرنے والوں کو بڑی بے دردی سے بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کہانی حقیقت نگاری کی عمدہ مثال ہے۔ اس میں افغانستان کے لوگوں پر ہونے والے مظالم کو سیاسی مفاد کے تناظر میں بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ افغانستان کی وہ آگ جو ماضی میں طالبان اور امریکہ نے لگائی تھی وہ ابھی تک جل رہی ہے اور اس آگ کے شعلوں سے ہزاروں نہیں بلکہ

لاکھوں لوگ جھلس کر ختم ہو رہے ہیں۔

افسانہ ''گُم گُم بہت آرام سے ہے'' کا موضوع بھی افغانستان (کابل) میں ہونے والی تباہی ہے۔ امریکی ایٹمی بمباری کی مزاحمت پر مبنی حقیقت پسندانہ یہ افسانہ بہت ہی متاثر کُن انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کہانی کا مرکزی کردار ایک ہندوستانی لڑکی ''گُم گُم'' ہے۔ وہ جب کابل جاتی ہے تو اُسے وہاں پر ہونے والے ظلم وستم اور بربریت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ وہاں کے خون آشام مناظر، ہر طرف بمباری سے تباہ ہونے والی آبادی، عورتوں کی آہ وفغاں ان سب کو دیکھنے سے وہ افسردہ ہو جاتی ہے۔ زاہدہ حنا کابل کے معصوم شہریوں کی حالتِ زار کا نقشہ یوں بیان کرتی ہیں:

> ''میں دادی اماں لاشوں کے ڈھیر دیکھے، وہ کھیلتے ہوئے بچے جنہیں ہوائی جہازوں سے ہونے والی گولیوں کی بوچھاڑ نے سلا دیا تھا، وہ عورتیں جو اپنی جان بچانے کے لیے بھاگی تھیں اور جن کے برقعے اور بدن ایک ساتھ چھلنی ہوئے تھے۔ میں نے ان دلہنوں اور دولہاؤں کے بدن سے گولیاں نکالی ہیں جن کی براتوں کو دہشت گردوں کا ٹولا کہہ کر ان پر گولیاں برسائی گئیں بم مارے گئے۔''(۸)

اس افسانے میں زاہدہ حنا نے امریکی مظالم اور بربریت پر سخت تنقید کرتے ہوئے تاریخی جبر کا ذکر بھی کیا ہے۔ مصنفہ نے کہانی میں امریکی جارحیت پسندی کو چنگیز خان کے حملے سے تعبیر کی ہے۔ چنگیز خان کے حملوں کی تباہی کی نسبت یہ امریکی ایٹمی بمباری زیادہ خطرناک ہے:

> ''چنگیز خان اور اس جیسے دوسرے بادشاہوں، راجوں، مہاراجوں کا غصہ ان شہریوں پر اترتا تھا جو ان کے راستے میں آتے تھے اور ان کی فوجوں کے خلاف ہتھیار اٹھاتے تھے لیکن دادی ماں امریکہ کا غصہ تو قندھار سے قندوز اور خوست سے قلعۂ جنگی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے لڑاکا ہوائی جہاز تورابورا اور طالقان پر بمباری کرتے ہیں۔ یہاں کی دھرتی میں بارودی سرنگیں یوں بوئی گئی ہیں جیسے کسی کھیت میں بیج چھڑک دیے جاتے ہیں۔ موت کے بیج۔ بچے، بوڑھے، مرد اور عورتیں سب ہی ان کا نوالہ بنتے رہتے ہیں۔''(۹)

افسانہ ''رقصِ مقابر'' میں افغانستان اور اس میں رونما ہونے والے سیاسی حالات و واقعات کو پیش کیا گیا ہے۔ یہ ایک طویل افسانہ ہے۔ اس میں طالبان کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ افسانے میں طالبان کا افغانی عوام پر ظلم وستم کے حالات و واقعات کو دکھایا گیا ہے۔ مزید براں افسانے میں جہاد کے نام پر معصوم لوگوں کو قتل کرنا اور عوام کو خوف وہراس میں مبتلا کرنے کو دکھایا گیا ہے۔ اس افسانے کا اختتام دردمندانہ اور ہذیانہ کیفیت کے ساتھ ہوتا ہے:

> ''ہڈیاں لے لو۔ ہڈیاں لے لو۔ ازبک اور پشتون ہڈیاں، تاجیک اور ترکمان ہڈیاں، ہزارہ اور بنجارہ ہڈیاں۔ یکے پنجرِ افغان، پنجاہ سینٹ، پنجاہ سینٹ۔ رقصِ مقابر۔۔۔۔ قبر کھودنے والوں کا رقص۔۔۔''(۱۰)

زاہدہ حنا کا افسانہ ''جاگے ہیں خواب میں'' ایک صحافی عورت کے گرد گھومتا ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار ایک خاتون

صحافی لالہ دانیال ہے۔ بیورو چیف کے حکم پر وہ اپنی ٹیم کے ہمراہ استنبول روانہ ہو جاتی ہے۔اس کے سامنے والا ترکی رومانوی مناظر سے عاری تباہ شدہ حالت میں ہوتا ہے۔ وہ اس تباہ شدہ حالت میں ترکی کو دیکھ کر ذہنی طور پر زخمی ہو جاتی ہے۔اس کی حالت کچھ یوں ہوتی ہے:

''وہ جب تک جاگتی رہتی سب کچھ ٹھیک رہتا لیکن بستر پر لیٹتے ہی مرتے ہوئے لوگوں کی چیخیں، خون کی بساند، دیواروں اور پیڑوں سے چپک جانے والے انسانی بدن کے چیتھڑے اس کا تعاقب کرنے لگتے۔ بے امان شہر میں نینداس سے رخصت ہوئی تھی اور جب آتی تو اُس کے ساتھ سر کٹے اور بے دھڑ بچوں کا، بے حرمت کی جانے والی عورتوں اور جلتے ہوئے مردوں کا غول ہوتا۔''(۱۱)

افسانے میں ''شعور کی رو'' کی تکنیک کا استعمال کیا گیا ہے۔کہانی میں دو ایسے کرداروں یعنی ''شہر'' اور ''وقت'' کو بھی پیش کیا گیا ہے جس سے لالہ دانیال کی ذہنی رو کی کیفیات نمایاں ہونے لگتی ہیں۔ بغداد سے آنے کے بعد دلی واپسی پر بھی وہ تباہ شدہ اور جنگ زدہ ماحول کو بھول نہیں پاتی اور تنہائی کا شکار ہو جاتی ہے۔''شہر'' لالہ دانیال کو تہذیب کے دور میں لے جاتا ہے۔ اس میں امریکی بمباری کے ذکر سے گہرے طنز کا انداز سامنے آتا ہے:

''امریکی پاپ کارن کے شوقین۔انھوں نے بغداد کو پاپ کارن مشین بنا دیا جس میں وہ عراقیوں کو، بھٹے کے دانوں کی طرح بھون رہے ہیں۔یہیں کہیں آتشِ نمرود کی دہکائی گئی تھی لیکن آتشِ نمرود تو ہر زمانے اور ہر زمین میں دہکائی گئی۔ہیروشیما اور ناگا ساکی، مائی لائی اور تورا بورا، بغداد اور بصرہ۔آتش نمرود کا امریکی ورژن۔نمرود نے سارا اہتمام اکیلے ابراہیم کے لیے کیا تھا۔ یہاں تو لاکھوں اور ہزاروں لوگ آتش نمرود کے امریکن ورژن کا ایندھن۔''(۱۲)

کہانی میں تاریخی مقامات کی تاریخیت، ثقافت اور روحانیت کا ذکر بھی خاص معنوں میں ملتا ہے۔ ماضی میں آخری خلیفہ امیر المومنین مستعصم باللہ کے زمانے میں عورتوں کی بربادی کو بھی صاف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔اس سے یہ تصور سامنے آتا ہے کہ مصنفہ عورتوں کے ساتھ روا کیے گئے ظلم کے خلاف ہے۔کہانی میں بغداد قوم اور قبیلوں کی بربادی کے ساتھ ساتھ دلی شہر کی بربادی اور تاریخ کا بیان اس انداز میں موجود ہے:

''جمنا و دجلہ دونوں لہو رنگ تھے۔ ہلاکت پہلے نیزے کی انی اور تلوار کی دھار میں رہتی تھی۔ اب گائیڈڈ میزائیلوں کے پروں پر بیٹھ کر سفر کرتی تھی،کلسٹر بم میں چھپی ہوئی فولادی تتلیاں بچوں کے بدن میں اتر جاتی تھیں۔''(۱۳)

زاہدحنا نے افسانہ ''معدوم ابنِ معدوم ابنِ معدوم'' میں ترکِ وطن اور ہجرت کے المیے کو بیان کرنے کے ساتھ ہی کراچی میں بڑھتے ہوئے سیاسی اثر و رسوخ اور معتوبین کراچی کے کرب کو بیان کیا ہے۔افسانہ ''زمین آگ کی آسماں آگ کا'' میں بھی معاشرے میں پھیلی ناانصافیوں پر آواز اٹھاتی نظر آتی ہیں:

''ان پر دباؤ ڈالا جانے لگا وہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں۔ عدالت کو اپنا فیصلہ واپس لینے کی درخواست دیں.....پیمرا کی امت زلیخا کی بیٹی۔ مدد چاہتی ہے یہ حوا کی بیٹی۔''(۱۴)

زاہدہ حنا افسانہ نگار کے ساتھ ساتھ اُردو صحافت کی ایک مقبول و مشہور کالم نگار کی حیثیت سے بھی پہچانی جاتی ہیں۔ انھوں نے جہاں ملکی مسائل کو اپنے افسانوں اور کالموں میں پیش کرنے کی سعی کی ہے وہاں بین الاقوامی مسائل کو بھی زیر بحث لا کر مغربی معاشرے کی قلعی کھولی ہے خاص کر اکیسویں صدی کے آغاز ہی میں رونما ہونے والی ایٹمی جنگوں، سیاسی و سماجی تنازعات کے موضوعات کے حوالے سے انھوں نے دردمندی سے لکھا ہے۔ بقول ڈاکٹر نورین رزاق:

''سنگین سماجی اور عالمی حقائق کے شعور کے باعث وسیع تر دنیا زاہدہ حنا کا موضوع ہے۔''(۱۵)

زاہدہ حنا کے کالموں کا دائرہ کار صرف اکیسویں صدی کے وہ چیلنجز جن کا سامنا ہماری اپنی قوم و وطن کو کرنا پڑ رہا ہے تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ بیرونی دنیا کے مسائل و معاملات پر بھی ان کی گہری نظر ہے۔ انھوں نے مقتدر اقوام کی مختاری اور خود اختیاری کے نام پر مظلوم، کمزور و بے کس اور کچلے ہوئے عوام کو جو تشدد کا نشانہ بنے ہوئے ہیں کا ذکر کیا ہے۔ اس حوالے سے ان کے ایک کالم سے اقتباس ملاحظہ کریں:

''دردوالم کا ایک تاریک کنواں جس میں آہستہ آہستہ اترنا ایک عذاب عظیم تھا۔ لباس پر خون کے تازہ دھبے تھے اور ہاتھوں میں ان بچوں کے بدن کے ٹکڑے جنہیں نفرت اور دہشت کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا، جن کے ہونٹوں سے ماں کے دودھ کی خوشبو آتی تھی۔ بندی خانوں میں بے گناہی کی سزا سہتے ہوئے نوجوان جن کی دریدہ لاشیں ان کی مائیں ڈھونڈتی پھرتی تھیں۔''(۱۶)

ہوسِ اقتدار سے نکلنے والی چنگاریوں نے کابل، فلسطین، کشمیر، عراق اور ایران کو خاکستر کر دیا ہے۔ وہاں کے دردناک مناظر جلتے تن، کٹی پھٹی لاشیں، خون میں لت پت معصوم بچے، بے بس و لاچار مائیں اور سزا سہتے ہوئے بے گناہ جوانوں کی اذیت ناک زندگی کی تصویر کشی زاہدہ حنا نے اپنے کالموں میں بڑی دردمندی سے کی ہے۔ بقول آسیہ نازلی:

''زاہدہ حنا کی انسان دوستی کسی خاص پیمانے یا جغرافیائی حدود کی پابند نہیں ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں جنگ کا بازار گرم ہے اور انسانیت کو خطرات لاحق ہیں۔ وہ اسے موضوع بناتی ہے۔''(۱۷)

زاہدہ حنا نے انسان دوستی کا تصور اپنے کالموں میں بھی پیش کر کے دنیا کے مظلوم طبقے سے ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ انھوں نے نوجوان فلسطینی ناول نگار لڑکی ''سوزان ابوالہوا'' کے ناول ''زخم کا نشان'' (مترجم: مسعود اشعر) کا ذکر کیا ہے۔ اس ناول کی مدد سے انھوں نے کالم میں شدید غم والم کا اظہار کیا ہے۔ زاہدہ حنا اس ناول کے حوالے سے لکھتی ہیں:

''سوزان ابوالہوا نے اپنے لفظوں سے انسان پر نسان کے ظلم و تعدی کا جو عمیق اور ناقابلِ یقین کنواں کھودا ہے۔ ہم اس کی گہرائیوں میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ ہمارے چہرے

آنسوؤں سے بھیگ جاتے ہیں۔اور ہمارے ہاتھ ان لوگوں کے خون سے تر ہو جاتے ہیں ،جنھیں ہم نے قتل نہیں کیا۔'' (۱۸)

زاہدہ حنا امن پسند ہیں وہ جنگ سے نفرت کرتی ہیں۔ان کے کالموں میں جو دو عظیم لڑائیاں لڑی گئیں۔ان جنگوں اور ظلم و بربریت کے اثرات آج اکیسویں صدی میں بھی بہت سارے ممالک پر پڑے ہیں اور ابھی تک وہاں جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں:

اب سے ۱۰۰ برس پہلے یورپ کی سرزمین پر جو خوفناک جنگ لڑی گئی، اس میں لاکھوں نوجوان کھیتوں، خندقوں اور میدانوں میں گولیوں اور توپ کے گولوں کا نشانہ بنے۔ یہ نوجوان جن کے ہنسنے کھیلنے اور کالجوں یونی ورسٹیوں میں پڑھنے، موسیقی کی نئی دھنیں بنانے، مصوری کرنے اور محبت میں غرق ہونے کے دن تھے، وہ دور دراز کی زمینوں میں یوں سوئے کہ پھر کبھی نہ جاگے۔ان کی دل فگار مائیں، دل شکستہ باپ اور ہجر کی ماری محبوبائیں ان کے انتظار میں گرفتار ہیں، ایسا انتظار جس کا کبھی انت نہ ہوا۔'' (۱۹)

زاہدہ حنا نے اگرچہ ایک طرف جنگی صورتحال اور انتشار کی کیفیات کو پیش کیا ہے تو دوسری طرف ان جنگوں اور تباہ کاریوں کے عینی شاہدین اور مخالفین کا ذکر بھی اپنے کالم میں یوں بیان کیا ہے:

''یہ آگ اور موت کی ایک لرزہ خیز رات کے بعد کی ایک اداس صبح کی بات ہے۔ میں رات کی بمباری سے سلگتے ہوئے کھنڈر گھروں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ایک دن پہلے یہاں سرخ اینٹوں سے بنے نفیس، صاف ستھرے اور عام درجے کے مکانوں کی قطار تھی جن میں مزدور خاندان بستے تھے۔اب یہاں صرف ملبے کے ڈھیر تھے، سوائے ایک عمارت کے جس کی سامنے کی دیواریں باقی رہ گئی تھی، جو شائد کسی قسم کی کمیونٹی کلب کا حصہ تھی۔'' (۲۰)

زاہدہ حنا کے کالموں میں موجود الفاظ اور جملے انسانی ہمدردی کے ترجمان ہیں۔ان کے کالموں میں ملک میں ہونے والی دہشت گردی کا اظہار وسیع انداز میں ملتا ہے۔اس حوالے سے ایک کالم سے اقتباس ملاحظہ کریں:

''دہشت گردی یوں تو ساری دنیا کے لیے ایک پریشان کن مظہر ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا اصل دائرہ مسلمان ملکوں بالخصوص پاکستان کو اپنے حصار میں لیتا ہے۔'' (۲۱)

زاہدہ حنا اس دہشت گردی اور نام نہاد جنگ کے خلاف ہیں۔انھوں نے اُن طالبان تنظیموں کو بھی طنز کا نشانہ بنایا ہے جو مسلمان ہو کر بھی مسلمان کو مار رہا ہے، ان کا کوئی مذہب نہیں اور نہ ہی وہ انسان ہے۔ بقول آسیہ نازلی:

''برصغیر میں ہونے والی تباہی و بربادی بالخصوص پاکستان میں جاری دہشت گردی کے حوالے سے زاہدہ حنا کا قلم خون کے آنسو بہاتا نظر آتا ہے۔'' (۲۲)

زاہدہ حنا نے اپنے عصری کالموں میں مختلف شہروں کے موجودہ عہد کے مسائل کا اظہار بھی کیا ہے۔خاص کر کراچی شہر کے حالات کا بیان ان کے کالموں میں زیادہ ملتا ہے۔انھوں نے کراچی شہر کے اُجڑے مناظر کا جس دلسوزی سے ذکر کیا ہے وہ کچھ

یوں ہے:

''۲۱ ستمبر کو یوں تو سارے ملک میں ہی احتجاجی جلوس نکلے، پشاور، اسلام آباد اور لاہور میں جلاؤ گھیراؤ ہوا۔ آنسو گیس کے گولے اور ربڑ کی گولیاں چلیں لیکن کراچی پر حملہ ہونے والوں کی شان ہی الگ تھی ۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کچھ لوگ اس غریب پرور شہر کے تمام احسانات بھلائے ہوئے اسے غارت کرنے نکلے ہیں ۔ انھوں نے صرف انسان نہیں مارے، بینک لوٹے، اے ٹی ایم مشین توڑیں، گاڑیاں چکنا چور کیں۔'' (۲۳)

کراچی میں معمولی اور غیر معمولی واقعات کے ذریعے جو فرقہ ورانہ فسادات کرائے جا رہے ہیں ان سے معصوم شہری جس طرح متاثر ہو رہے ہیں ان کا اظہار زاہدہ حنا نے بڑی دردمندی سے کیا ہے:

''۲۸ مارچ ۱۹۷۲ء کو زیب تن ٹیکسٹائل ملز کی ناکہ بندی وہ نکتہ آغاز بن گئی جس نے مزدوروں کو بھٹو صاحب کی مزدور دوستی کا حقیقی رُخ دکھا دیا۔ یہ وہ نالہ بندی تھی جس میں ۲ لاکھ مزدوروں نے حصہ لیا۔ مزدوروں کے اس اتحاد کے دوران کراچی کے مزدوروں پر جس طرح اندھا دھند گولیاں برسائی گئیں، ملز ایریا کی زمین سرخ ہو گئی ۔ متعدد مزدور ہلاک ہوئے۔'' (۲۴)

کراچی شہر کی تباہی، لوٹ مار، بدنظمی، بے جا پابندیاں اور غیر یقینی صورت حال کی کیفیات کا ذکر زاہدہ حنا ایک اور کالم میں کچھ یوں کرتی ہیں:

کراچی مختلف سیاسی اور مذہبی انتہا پسند گروہوں کے علاوہ لینڈ مافیا، ڈرگ مافیا اور ناجائز اسلحے کی مافیا کے ہاتھوں گذشتہ ۲۵ برسوں سے یرغمال ہے ۔ ان پچیس برسوں کے دوران کراچی کے ساتھ جو ہوا وہ رونگٹے کھڑے کر دینے والا ہے اور اب مختلف علاقوں میں وقفے وقفے سے تمام رات گولیاں چلنے کی آوازیں سننا کراچی والوں کا مقدر بن چکا ہے۔'' (۲۵)

زاہدہ حنا نے اپنے افسانوں، کالموں کے ساتھ ساتھ اپنے مضامین میں بھی اکیسویں صدی کے مختلف چیلنجز کو نہایت عمدگی سے بیان کیا ہے۔ ان کے مضامین میں ان کی وسعت نظری اور عمیق مشاہدے کا عکس بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ انھوں نے جتنے مضامین بھی تحریر کیے ہیں ان میں جامعیت، رنگینی اور دلکش انداز کا عنصر موجود ہے۔ ان کے مضامین کا مجموعہ ''امید سحر کی بات سنو'' ہے۔ اس مجموعے میں شامل چھ (٦) مضامین میں زاہدہ حنا نے جنگ و امن کے موضوعات کو بیان کیا ہے۔

مضمون ''ضمیر کی آواز'' جو ۸۲ صفحات پر مشتمل ہے اس میں زاہدہ حنا نے ایٹمی صورتحال کو پیش کر کے ان ایٹمی دھماکوں کا ذکر کیا ہے جو ہیروشیما پر امریکی حکومت نے کر کے وہاں کی ہر چیز کو تہس نہس کر دیا۔ زاہدہ حنا نے یہیں سے اپنے اس مضمون کا آغاز کیا ہے۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں جو جنگیں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان لڑی گئیں اس کو بیان کر کے یہ باور کرایا ہے کہ جنگ کہیں پر بھی ہو انسان اس سے بڑی حد تک متاثر ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی زاہدہ حنا نے گیارہ ستمبر کے واقعہ اس کے بعد کی عالمی صورت، افغانستان، فلسطین، عراق اور دوسرے کئی ممالک میں جاری وحشت، بربریت، اور انسانی تذلیل کی عکاسی

اپنے مضامین میں کی ہے۔زاہدہ حنا نے یہاں پر پاکستان کے ایٹم بم بنانے کے فیصلے سے لے کر اس پر عملدرآمد ہونے تک کی صورتِ حال کو بھی نہایت عمدگی سے بیان کیا ہے۔پاکستان جو ۱۹۹۹ء میں ایٹمی ملک بن گیا اس کا فیصلہ جنرل ایوب کے زمانے میں کیا گیا تھا۔اس حوالے سے اقتباس زیرِ غور ہے:

> ''ایوب کابینہ میں شامل ایندھن ،بجلی اور قدرتی وسائل کے جواں سال اور دانشور وزیر ذوالفقار علی بھٹو تھے جنہوں نے ۱۹۶۶ء میں کہا تھا کہ اگر ہندوستان نے ایٹم بم بنایا تو پاکستان بھی اس دوڑ میں پیچھے نہیں رہے گا۔۔۔۔اگر پاکستانیوں کو گھاس کھانی پڑی تب بھی ہم ایٹم بم بنائیں گے۔'' (۲۶)

ایٹم بم کے بنانے کے مراحل اور اس کے بعد پاکستان اور ہندوستان میں جو جھڑپیں روز بروز ہو رہی ہیں اس کا ذکر بھی مضمون میں چھیڑا گیا ہے۔کہ دونوں طرف سے لوگوں کی زندگیاں متاثر ہو رہی ہیں۔یہ جنگیں اور ایٹمی ہتھیار انسانی زندگی کے دشمن ہیں۔ان جنگوں اور ہتھیاروں نے انسانی زندگی کو ختم کر دیا ہے لیکن پھر بھی اس کی پیداوار میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے:

> ''ایٹمی ہتھیار بڑے پیمانے پر انسانی تباہی کے ہتھیار ہیں۔ان کے کرۂ ارض پر انسانی زندگی کی بقا خطرے میں پڑ سکتی ہے۔اس تباہی کا سب سے پہلا شکار معصوم شہری ہوتے ہیں۔ ہیروشیما اور ناگاساکی کے دلخراش سانحوں سے ہم سب واقف ہیں۔۔۔۔جغرافیائی اور ماحولیاتی اعتبار سے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔'' (۲۷)

اس کے علاوہ مضمون میں زاہدہ حنا نے امریکہ کی بے حسی کے ساتھ ساتھ ان تمام ایٹمی ممالک کا ذکر بھی کیا ہے کہ ایٹمی ملک بننے کے بعد وہاں کیا صورت حال ہے۔اور ہیروشیما اور ناگاساکی پر جو ایٹمی حملہ ہوا تھا اس کے اثرات بھی کھل کر بیان کیے ہیں۔اس حوالے سے وہ اپنے مضمون میں لکھتی ہیں:

> ''ایک پورا شہر ملبے کا ڈھیر بن جائے ،صرف یہی نہیں ،آج بھی ہیروشیما میں مائیں معذور بچوں کو جنم دے رہی ہیں۔کیا یہ حیوانیت نہیں؟ ایٹم بم کی طاقت انسانیت کو تباہ کرنے کی طاقت ہے۔یہ ہنستے بستے شہروں کو کھنڈر بنا دینے کی طاقت ہے۔'' (۲۸)

زاہدہ حنا کے ہاں اکیسویں صدی کے مختلف چیلنجز کے موضوعات کے بیان کا تنوع ملتا ہے اور ان کا یہ خاصا رہا ہے کہ کسی بھی موضوع کو بیان کرنے پر انھیں پوری قدرت حاصل ہے۔انھوں نے زندگی کی مختلف جہات کو پیش کرتے ہوئے اُن پر گہرائی سے بات کی ہے اور اپنی بات کو واضح انداز میں پیش کر کے قاری کی تمام تر توجہ اہم مسائل کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی ہے۔زاہدہ حنا نے جس بھی موضوع کو بیان کیا ہے ان کو پوری توجہ دے کر وسعتِ نظری کے ساتھ بے باک انداز میں پیش کیا ہے۔معاشرے کے تلخ حقائق پر ان کی گہری نظر ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سعادت سعید، ڈاکٹر ، ادب اور نفی ادب (مضامین)، لاہور: دستاویز مطبوعات، ۱۹۹۸ء، ص:۲۴

۲۔ طارق چھتاری، جدید افسانہ، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۲ء، ص:۲۲۳

۳۔ نورین رزاق، ڈاکٹر، پاکستانی خواتین افسانہ نگار، لاہور: دستاویز مطبوعات، ۲۰۱۶ء، ص:۳۵۷

۴۔ احمد عقیل روبی، تتلیاں ڈھونڈنے والی، مشمولہ: زاہدہ حنا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، مرتب: آسیہ نازلی، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء، ص:۱۶۴

۵۔ زاہدہ حنا، زیتون کی ایک شاخ، مشمولہ: قیدی سانس لیتا ہے، کراچی: کتابیات پبلی کیشنز، ۱۹۸۳ء، ص:۴۱

۶۔ ایضاً، ص:۴۶

۷۔ زاہدہ حنا، نیند کا زرد لباس، مشمولہ: رقص بسمل ہے، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص:۲۱۴

۸۔ زاہدہ حنا، کُم کُم بہت آرام سے ہے، مشمولہ: رقص بسمل ہے، ایضاً، ص:۱۶۰

۹۔ ایضاً، ص:۱۵۵۔۱۵۴

۱۰۔ زاہدہ حنا، رقص، مقابر، مشمولہ: رقص بسمل ہے، ایضاً، ص:۹۳

۱۱۔ زاہدہ حنا، بہ ہر سُو رقصِ بسمل بُود، مشمولہ: رقص بسمل ہے، ایضاً، ص:۱۰۰

۱۲۔ زاہدہ حنا، جاگے ہیں خواب میں، مشمولہ: رقص بسمل ہے، ایضاً، ص:۱۶۹۔۱۶۸

۱۳۔ ایضاً، ص:۱۷۵۔۱۷۴

۱۴۔ زاہدہ حنا، زمیں آگ کی آسماں آگ کا، مشمولہ: راہ اجل میں ہے، کراچی: مکتبہ دانیال، ستمبر ۱۹۹۶ء، ص:۶۷

۱۵۔ نورین رزاق، ڈاکٹر، پاکستانی خواتین افسانہ نگار، لاہور: شرکت پرنٹنگ پریس، جولائی ۲۰۱۶ء، ص:۳۵۷

۱۶۔ زاہدہ حنا، یروشلم: انسانوں کا مقدمہ، کالم، نرم گرم، مشمولہ: ایکسپریس، روزنامہ، اتوار ۱۰ دسمبر ۲۰۱۷ء

۱۷۔ آسیہ نازلی، زاہدہ حنا، تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء، ص:۳۴

۱۸۔ زاہدہ حنا، یروشلم: انسانوں کا مقدمہ، کالم، نرم گرم، مشمولہ: ایکسپریس، روزنامہ، اتوار ۱۰ دسمبر ۲۰۱۷ء

۱۹۔ زاہدہ حنا، صرف ایک گولی (آخری حصہ)، کالم، نرم گرم، مشمولہ: ایکسپریس، روزنامہ، اتوار ۱۸ نومبر ۲۰۱۸ء

۲۰۔ زاہدہ حنا، سیاست کے بازار میں نفرت کی دکانیں، کالم، نرم گرم، مشمولہ: ایکسپریس، روزنامہ، بدھ ۸ نومبر ۲۰۱۷ء

۲۱۔ زاہدہ حنا، دہشت بمقابلہ دلیل، کالم، نرم گرم، مشمولہ: ایکسپریس، روزنامہ، ہفتہ ۱۰ جنوری ۲۰۱۵ء

۲۲۔ آسیہ نازلی، زاہدہ حنا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، ص:۱۰۰

۲۳۔ زاہدہ حنا، کراچی: ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے، کالم، نرم گرم، مشمولہ: ایکسپریس، روزنامہ، ہفتہ ۲۹ ستمبر ۲۰۱۲ء

۲۴۔ زاہدہ حنا، بائیں بازو کی بروقت پہل کاری، کالم، نرم گرم، مشمولہ: ایکسپریس، روزنامہ، اتوار ۲۲ جولائی ۲۰۱۸ء

۲۵ زاہدہ حنا، ۸ جنوری ۱۹۵۳ء کے شہدا کی روحوں کا سوال، کالم، نرم گرم، مشمولہ: ایکسپریس، روزنامہ، ۲۴ جنوری ۲۰۱۰ء

26. www.newageislam.com9November,2018

27. Ibid

28. Ibid

☆……☆……☆